© rasailojaraid.com

محمد شہاب الدین ندوی

علمِ کیمیا اور طبیعیات کی اہمیت

قرآن اور خلافتِ ارض کے نقطۂ نظر سے

قرآنِ مجید کا تاریخی کارنامہ

یورپ کو سائنس کے میدان میں ترقی کے بامِ عروج تک پہنچنے کے لیے ہزاروں لاکھوں آدمیوں کی قربانی دینی پڑی، جو کلیسا (CHURCH) اور سائنس کی کش مکش کا طویل اور خونی باب ہے، مگر اسلام کی تاریخ اس قسم کی کسی آزمائش اور عبرت ناک داستان سے آشنا نہیں ہے، کیونکہ اسلام، عیسائیت کی طرح تجربہ و مشاہدہ کا حریف نہیں بلکہ علم و تجربہ کو پروان چڑھانے والا اور مشاہدے کی بہت افزائی کرنے والا تھا۔

یہ حقیقت اب کوئی راز کی بات نہیں رہی کہ یورپ کی نشاۃِ ثانیہ (RENAISSANCE) کی ساری ترقیاں قرونِ وسطیٰ کے مسلمانوں کے تجربات و مشاہدات اور بلند پایہ تحقیقات کا نتیجہ تھیں اور مسلمانوں کی تمام ترقیاں قرآنِ حکیم کی انقلابی دعوتِ فکر کا منطقی نتیجہ تھیں، جو یونانی طرزِ فکر سے بنیادی طور پر مختلف ہے۔ لہٰذا مسلمان فکرِ یونان سے سیراب ہونے کے باوجود ارسطو اور دیگر حکما کے مقلدِ جامد نہیں تھے، بلکہ انھوں نے قرآنی فکر اور اس کے منشا کے مطابق بہت جلد تجربات و مشاہدات شروع کرکے جدید سائنس کی داغ بیل ڈالی اور ایک بالکل نئے عہد کا آغاز کیا۔

قرآنِ حکیم دنیا کا وہ پہلا صحیفہ ہے جو غلط نظریات و مفروضات اور تقلید پرستی کی مذمت کرتے ہوئے نظامِ کائنات سے استدلال کرتا ہے اور زمین، آسمان، چاند، سورج، ستارے، ابر، ہوا، پہاڑ، مختلف حیوانات اور نباتات وغیرہ تمام مظاہرِ فطرت کا بغور مطالعہ و مشاہدہ کرنے کی مختلف اسالیب میں تاکید کرتا ہے مثلاً:

اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (الانعام: ۹۹)

غور سے دیکھو اس کے پھل کو جب وہ پھلنے اور پکنے لگے۔ یقیناً اس باب میں ایمان لانے والوں کے لیے دلائل و نشانات موجود ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ۝ (الحجر ، ۱۶)

اور ہم نے آسمان میں بہت سے بروج (کہکشائیں) بنا دیے ہیں اور بغور دیکھنے والوں کے لیے انھیں مزین کر دیا ہے۔

اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۝ وقف وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ۝ وقف وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ۝ وقف وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ۝ وقف (الغاشیہ ، ۱۷ - ۲۰)

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ اونٹوں کی تخلیق کس طرح کی گئی ہے؟ اور آسمان کیسا اونچا اٹھایا گیا ہے؟ اور پہاڑ کس طرح (مضبوطی سے) نصب کیے گئے ہیں؟ اور زمین کس طرح (اس کی پوری گولائی میں) بچھائی گئی ہے؟

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط (یونس ، ۱۰۱)

کہہ دو کہ تم غور سے دیکھو کہ زمین اور آسمانوں میں کیا کیا چیزیں موجود ہیں۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ (العنکبوت ، ۲۰)

کہہ دو کہ زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ تخلیق کی ابتدا کس طرح ہوئی؟

ان تمام آیات میں سب سے زیادہ قابلِ غور اور مرکزی لفظ "نظر" ہے، جس کے مشتقات "انظروا" "الناظرین" اور "افلا ینظرون" ہیں۔ "نظر" کے معنی محض دیکھنے کے نہیں ہیں، بلکہ اہلِ لغت اور ائمہ تفسیر کی تصریح کے مطابق غور و فکر کرنے اور "نظرِ غائر" ڈالنے کے ہیں۔

نظرہ : تامله بعينه - اس شخص نے (فلاں چیز پر) نظر ڈالی - یعنی اپنی آنکھ کے ذریعے اس چیز کا جائزہ لیا[1]

الجوهری : النظر تأمل الشئ بالعين - جوہری نے کہا ہے کہ نظر آنکھ کے ذریعے غور کرنے یا جائزہ لینے کو کہتے ہیں[2]

امام راغب لکھتے ہیں: نظر کے اصل معنی کسی چیز کو دیکھنے یا اُس (کی اصلیت) کا ادراک کرنے کے لیے آنکھ یا قوتِ فکر کو بار بار حرکت دینے (تقلیب) کا نام ہے۔ اور کبھی "نظر" سے مراد غور و فکر اور

---

[1] القاموس المحیط ، از مجد الدین فیروزآبادی

[2] لسان العرب ، ۵/۲۱۵ ، طبع جدید ، بیروت ، ۱۹۶۸ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کسی چیز کی کھود کر کرید کرنا (مطالعہ و تحقیق) ہوتا ہے، اور کبھی اس سے مراد وہ معرفت ہوتی ہے جو غور و فکر کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ اسی لیے محاورے میں کہا جاتا ہے: "نظرت فلم تنظر" تو نے دیکھا مگر غور نہیں کیا۔ ارشادِ باری (قل انظروا ماذا فی السمٰوٰت) میں انظروا کے معنی ہیں تأملوا۔ یعنی غور و فکر کرو۔ لفظِ نظر کا استعمال عوام کے نزدیک زیادہ تر "رویتِ بصر" کے لیے ہوتا ہے، جب کہ خواص کے نزدیک اس کا استعمال زیادہ تر بصیرت کے لیے ہوتا ہے۔[۳]

یہ محض ائمہ لغت ہی کی تحقیق نہیں ہے بلکہ مفسرین بھی اس لفظ کے یہی معنی مراد لیتے ہیں۔ چنانچہ اوپر جو آیات نقل کی گئی ہیں، ان میں سورۃ انعام والی آیت کی تفسیر میں علامہ زمخشری تحریر فرماتے ہیں:

نظر اعتبار و استبصار و استدلال۔[۴]

عبرت و بصیرت اور استدلال کی نظر سے دیکھو۔

مفسر ابو مسعود تحریر فرماتے ہیں:

أی أنظروا الیہ نظر اعتبار و استبصار اذا أخرج ثمرہ۔[۵]

یعنی جب پھل نمودار ہونے لگے تو اس کو بچشمِ عبرت و بصیرت دیکھو۔

علامہ رشید رضا مصری تحریر فرماتے ہیں:

ائی انظروا نظر تأمل و اعتبار۔[۶]

یعنی غور و فکر اور عبرت کی نظر سے دیکھو۔

اس لحاظ سے "نظر" کے معنی محض سرسری طور پر دیکھنے کے نہیں بلکہ غور سے دیکھنے، غور و فکر کرنے، نظرِ بصیرت ڈالنے اور بچشمِ عبرت معائنہ کرنے کے ہیں۔ اب پچھلی آیتوں کا جائزہ لیجیے تو معلوم ہوگا کہ "نظر" کا دائرہ عالمِ جمادات، عالمِ نباتات، عالمِ حیوانات اور عالمِ افلاک تک عام مرئی و محسوس چیزوں اور کل موجودات پر محیط ہے۔

یہ قرآنِ حکیم کی ایک زبردست خصوصیت ہے کہ وہ سلبی اور ایجابی دونوں حیثیتوں سے اپنے متبعین

۳ـہ مفردات قرآن ۴ـہ تفسیر کشاف

۵ـہ تفسیر ابو مسعود برحاشیہ تفسیر کبیر ۶ـہ تفسیر المنار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو خصوصاً اور نوعِ انسان کو عموماً موجوداتِ عالم کے مطالعہ و مشاہدہ پر ابھارتا ہے اور ان مظاہر و ظواہر کی ساخت و پرداخت اور ان کے نظاموں کا منظم مطالعہ کرنے نیز ان اشیا و حوادث کے علل و اسباب کا پتا لگا کر ایک مسبب الاسباب تک پہنچنے کی دعوت دیتا ہے ۔ وہ بار بار اتمامِ حجت کی خاطر الزامی طور پر کہتا ہے :

اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنْ شَیْءٍ لا ۔ (الاعراف ۱۸۵)

کیا انھوں نے زمین و آسمان کی بادشاہت اور اللہ کی پیدا کردہ مخلوقات میں غور نہیں کیا ؟

اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰھُمَا ط وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ط اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ ٥ (الانبیا : ۳۰)

کیا انھوں نے مشاہدہ نہیں کیا کہ (پہلے) زمین اور سارے اجرامِ سماوی باہم ملے ہوئے تھے، جن کو ہم نے جدا کر دیا، اور پانی ہی سے ہر زندہ چیز کو بنایا، تو کیا یہ لوگ (پھر بھی) ایمان نہیں لائیں گے ؟

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَکَہٗ یَنَابِیْعَ فِی الْاَرْضِ ثُمَّ یُخْرِجُ بِہٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُہٗ ثُمَّ یَھِیْجُ فَتَرٰىہُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَجْعَلُہٗ حُطَامًا ط اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِاُولِی الْاَلْبَابِ ٥ ع (الزمر : ۲۱)

کیا تو نے مشاہدہ نہیں کیا کہ اللہ نے بلندی سے پانی برسایا، پھر اس کو زمین کے سوتوں میں داخل کر دیا۔ پھر وہ اسی پانی کے ذریعے رنگ برنگی کھیتیاں نکال دیتا ہے ۔ پھر وہ کھیتی خشک ہو جاتی ہے جس کو تو زرد ہوتے ہوئے دیکھتا ہے ۔ پھر وہ اس کو چورا چورا کر دیتا ہے ۔ اس باب میں دانش مندوں کے لیے ایک بڑی چونکا دینے والی (خبر) ہے۔

اوپر دو قسم کی آیات نقل کی گئی ہیں۔ اول قسم عملی سائنس (PRACTICAL SCIENCE) کی بنیاد ہیں، جن سے سائنسی علوم کی باقاعدہ تدوین عمل میں آتی ہے، اور قسم ثانی منکرین و معاندین کے لیے بطور اتمامِ حجت وارد ہوئی ہیں۔ اس لحاظ سے قرآن کی نظر میں اس دعوتِ فکر و تحقیق کے دو بنیادی مقاصد ہیں جن کی مختصر تشریح اس طرح ہے :

۱۔ اسلام کے بنیادی مقاصد اور اُس کے اساسی نظریات و معتقدات خصوصاً توحید، رسالت، او معاد کے اثبات اور ان کی صداقت و حقانیت کے لیے نظامِ کائنات سے دلائل پیش کرنا تاکہ ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی حقیقت پوری طرح کھل کر سامنے آجائے اور کسی قسم کا اشتباہ باقی نہ رہ جائے، جیسا کہ دوسرے مواقع پر اس اصول کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے:

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ۝ وَفِي أَنفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ۝ (الذاریات: ۲۰-۲۱)

اور رُوئے زمین میں یقین کرنے والوں کے لیے بہت سی نشانیاں (صحیفہ فطرت میں) موجود ہیں اور خود تمھاری ہستیوں میں بھی۔ کیا تم کو نظر نہیں آتا؟

۲۔ اہلِ اسلام کو خصوصیت کے ساتھ تسخیرِ موجودات کی طرف راغب کرنا۔ بعض موجوداتِ عالم میں جو طبیعی اور نوعی فوائد ـــ قوانینِ فطرت کے روپ میں ـــ موجود ہیں، ان سے استفادہ کر کے انسانی زندگی کو بہتر بنانے اور دینِ برحق کے غلبہ و دفاع کے لیے فوجی و عسکری حیثیت سے قوت و شوکت حاصل کرنے کی طرف ترغیب دلانا، تاکہ اس سے خلافتِ ارض کے دیگر مقاصد پورے ہوں اور اقوامِ عالم کی اصلاح کا فریضہ بھی انجام پائے۔ بالفاظِ دیگر اہلِ اسلام سائنسی علوم و فنون میں ترقی کر کے اتنی قوت و طاقت بھی حاصل کر لیں کہ ایک حیثیت سے وہ دینِ الٰہی کو تمام ادیان پر ـــ مادی نقطۂ نظر سے ـــ غالب کر سکیں[۵۳] تو دوسری طرف دنیا میں خدائی فوجدار بن کر عدل و انصاف اور اصلاحِ عالم کا فریضہ بھی انجام دے سکیں۔ كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ـــ اسی وجہ سے نوعِ انسانی کو "علم اسما" اور "علمِ تسخیر" سے بھی نوازا گیا ہے۔

چنانچہ جس وقت حضرت آدم کو خلیفہ بنانے کا اعلان ہوا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں تمام چیزوں اور کل موجودات کا علم دے دیا، وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا۔ اکثر مفسرین کے نزدیک اس سے مراد تمام چیزوں کے اسما اور ان کے خواص و تاثیرات کا علم ہے[۵۴] جس کو بطور ایک اصطلاح "علم اسما" کہا جا سکتا ہے۔ اس میں ہمارے لیے سبق یہ ہے کہ زمین میں خلیفہ بننے اور صحیح معنی میں "منصبِ خلافت" پر

---

۵۳ غلبۂ دین کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو دلیل و استدلال کے ذریعے غالب کرنا اور دوسرے مادی و ظاہری حیثیت سے برتری حاصل کرنا۔ اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے لیے یہ دونوں پہلو بہ یک وقت مطلوب ہیں۔ ورنہ خاطر خواہ نتائج نکل نہیں سکتے اور دینِ برحق علمی اعتبار سے برحق ہونے کے باوجود مادی و عسکری حیثیت سے اپنا دفاع نہیں کر سکتا۔

۵۴ اس کی تفصیل اور مفسرین کے دلائل پر بحث میں نے ایک دوسرے مقالے میں کی ہے جس کا عنوان ہے "خلافت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فائز ہونے کے لیے "علم اسما" میں دسترس حاصل کرنا ضروری ہے[۹] اور "علمِ اسما" کی جیسی تحقیق و تفتیش موجودہ دَور میں علومِ سائنس کے تحت کی گئی ہے، کسی اور دَور میں نہیں کی گئی۔ چنانچہ علمِ کیمیا (کیمسٹری) طبیعیات (فزکس)، ارضیات (جیالوجی)، علمِ نباتات و حیوانات (بیالوجی) اور فلکیات (اسٹرانمی) میں جتنی بھی چیزوں سے بحث کی جاتی ہے اور ان کے جو جو طبیعی (فزیکل) خواص و تاثیرات بیان کیے جاتے ہیں، وہ سب کے سب حیرت انگیز طور پر "علمِ اسما" میں سما جاتے ہیں۔ یہ ایک جامع اصطلاح ہے جو کل علومِ سائنس پر حاوی ہے۔ لہٰذا "علمِ اسما" ہماری کھوئی متاع ہے، جس کی تحصیل پر نہ صرف ہماری شان و شوکت موقوف ہے بلکہ دینِ الٰہی کے حقیقی دفاع کا دار و مدار بھی اسی پر ہے جیسا کہ آئندہ سطور سے ظاہر ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ مظاہرِ کائنات میں ودیعت شدہ فوائد اور ان کی توانائیوں سے مستفید ہونے کے لیے ان علوم کی تحصیل بہت ضروری ہے۔ ان علوم کے بغیر ہم نہ تو مظاہرِ کائنات کا منظم و مربوط مطالعہ (STUDY) کر سکتے ہیں اور نہ عملاً ان میں ودیعت شدہ فوائد و تاثیرات سے مستفید ہو سکتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً ؕ (لقمان : ۲۰)

کیا تم نے مشاہدہ نہیں کیا کہ اللہ نے تمھارے لیے زمین اور آسمانوں کی تمام چیزیں مسخر کر دیں اور تم پر اپنی ظاہری باطنی نعمتیں پوری کر دیں۔

یہ ظاہری و باطنی نعمتیں کیا ہیں؟ مفسرین نے ان کی کئی توجیہیں کی ہیں، جن میں نسبتاً زیادہ بہتر توجیہہ علامہ زمخشری نے کی ہے:

"ظاہری سے مراد وہ نعمت ہے جو مشاہدے میں آسکے اور باطنی سے مراد وہ نعمت ہے جو کسی دلیل سے معلوم ہو سکے یا بالکل ہی نہ معلوم ہو سکے۔ اس لحاظ سے انسان کے بدن میں کتنی ہی ایسی (پوشیدہ) نعمتیں ہیں جن کو انسان نہیں جانتا اور ان کی طرف راہ یاب نہیں ہوتا۔"[۱۰]

---

[۹] یہ فریضہ "وارثینِ علمِ آدم" یا آدمؑ سے حقیقی انتساب رکھنے والوں پر ایک فرضِ کفایہ کے طور پر عائد ہوتا ہے۔

[۱۰] تفسیر کشاف ۳/۲۳۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میرے نزدیک اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ ظاہری نعمتوں سے مراد وہ نوازشاتِ الٰہیہ ہیں جو آفرینشِ آدم سے لے کر عصرِ حاضر تک برابر معلوم و متعارف چلی آ رہی ہیں یعنی وہ لوازمِ حیات جن کے استعمال سے ہر دور کا انسان بخوبی واقف رہا ہے اور باطنی نعمتوں سے مراد خاص کر مادہ (MATTER) اور توانائی (ENERGY) کے وہ پوشیدہ اسرار و حقائق ہیں جو علومِ سائنس کی ترقی کی بدولت منکشف ہو سکے ہیں، جن کو موجودہ انسان مسخر کر کے بخوبی فائدہ اٹھا رہا ہے۔ مثلاً برق، بھاپ، جوہری توانائی،[۱۱] جوہری آئی سوٹوپ اور بے شمار قسم کے کیمیاوی مرکبات (CHEMICAL COMPOUNDS) جو مصنوعی غذاؤں، دواؤں، کھادوں اور دیگر بے شمار مصنوعات سے متعلق ہیں اور اسی طرح مختلف قسم کے تُرشے (ACIDS) وغیرہ جن کا استعمال جدید صنعتوں (INDUSTRIES) میں بہت عام ہے۔

ان کیمیاوی چیزوں خصوصاً جوہری توانائی (ATOMIC ENERGY) اور جوہری مرکزہ (ATOMIC NUCLEUS) کا علم بہت ہی اہم ہے۔ ان تمام چیزوں کے اسرار سربستہ کی واقفیت ہی پر جدید صنعتوں کا دارومدار ہے۔ لہٰذا یہ کیمیاوی اسرار گویا صنعت و حرفت کی کنجیاں ہیں۔ اب جو قوم ان "کنجیوں" (KEYS) پر قبضہ کر لیتی ہے وہی صحیح معنی میں زمین پر خلیفہ بن سکتی ہے۔

یہ تمام نعمتیں روزِ ازل ہی سے کائنات میں موجود تھیں۔ مگر ان سے صحیح فائدہ دورِ جدید کا انسان علمِ اسما (علومِ سائنس) کی ترقی اور علمِ تسخیر کی قوت کی بدولت اٹھا رہا ہے۔ خلافتِ ارضی کے لیے علمِ اسما اور علمِ تسخیر (جس کی تعبیر ایک حیثیت سے موجودہ اصطلاحوں کے مطابق سائنس اور ٹکنالوجی سے کی جا سکتی ہے)[۱۲] سے واقفیت لازمی ہے۔ بالفاظِ دیگر سائنس اور ٹکنالوجی کے بغیر خلیفہ ہونا۔

---

[۱۱] جوہری توانائی انسان کے لیے مفید بھی ہے اور مضر بھی۔ مگر اس کے "خدائی نعمت" ہونے کی حیثیت سے اس کا استعمال نوعِ انسان کی بھلائی اور خیر کے سلسلے میں ہونا چاہیے۔ قرآنی نقطۂ نظر سے نوعِ انسانی کی ہلاکت و بربادی کی خاطر اس کا استعمال بہت برا ہے۔ اس قسم کی نعمتوں یعنی تسخیرِ اشیا کا جہاں کہیں بھی تذکرہ کیا گیا ہے وہاں پر وہ "لکم" کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ اس میں لام "منفعت کے لیے" ہے، جو افادیت اور حصولِ منفعت پر دلالت کرتا ہے۔ لہٰذا قرآنی نقطۂ نظر سے ایٹم بم، ہائیڈروجن بم، نیپام بم وغیرہ کا استعمال ممنوع اور سخت گناہ کا فعل ہے۔

[۱۲] تسخیر کے لغوی معنی کسی کو قابو میں کرنے یا کسی کو جبراً کام میں لگانے کے ہیں۔ موجوداتِ عالم کا اصل مسخر (تسخیر کرنے والا) صرف اللہ تعالیٰ ہے جس نے تمام مظاہرِ کائنات کو محض اپنے حکمِ ازلی کے تحت مسخر کر رکھا ہے۔ مگر انسان بھی خلیفہ ہونے کی حیثیت سے ان کو اپنے کام میں لا سکتا ہے اور ان کے فوائد سے مستفید ہو سکتا ہے بلکہ وہ خلاقِ فطرت صفات کا مظہر ہونے کی حیثیت سے ان مظاہر کی تسخیر میں اپنے خالق و مالک کی نقالی کر سکتا ہے۔ اس لحاظ سے موجودہ کاہل اور علوم و فنون سے عاری مسلمانوں کو حرکت میں لانے کے لیے اس معنی میں اس سے بہتر اسلامی اصطلاح نہیں مل سکی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خصوصاً عصرِ جدید میں ـــــ ایک بے معنی سی بات ہے۔ آج روئے زمین پر جتنی بھی صنعتیں کام کر رہی ہیں، سب کی سب سائنسی علوم اور ٹکنالوجی کی مرہونِ منت ہیں، اور جو قوم آج اس میدان میں پیچھے ہے وہ گویا کہ پس ماندہ اور غیر ترقی یافتہ ہے، جس کو ترقی یافتہ قومیں کچلتی ہوئی آگے بڑھ رہی ہیں، اور اس سائنسی و صنعتی پس ماندگی کی بدولت آج اپنے دین و ایمان کا دفاع بھی مشکل ہو گیا ہے۔ جیسا کہ آج خصوصیت کے ساتھ افغانستان کے حالات شاہد ہیں۔ سائنسی علوم و فنون میں برتری ہی کی بدولت فوجی و عسکری اور سیاسی و بین الاقوامی حیثیت سے بھی برتری حاصل ہوتی ہے اور قرآنِ حکیم ہم کو اپنے ملک و ملت کے دفاع کے لیے ہر قسم کی فوجی و عسکری تیاری کی تاکید کرتا ہے۔ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ الخ ۔ اور موجودہ دور کے معیار کے مطابق اس تیاری کے لیے تمام سائنسی و صنعتی علوم سے مدد لینا ناگزیر ہے۔ ظاہر ہے کہ آج تیر کمان اور تلواروں کا زمانہ نہیں رہا۔

قرآنِ حکیم ہماری فکری و عملی زندگی کا محور ہے، وہ ہمیں زندگی کے میدان میں کسی بھی حیثیت سے تنہا نہیں چھوڑتا۔ بلکہ ہر اعتبار سے ہماری پوری پوری رہنمائی کرتا ہے، یہ اور بات ہے کہ ہم محض اپنی کوتاہ بینی کی وجہ سے اس کی ہدایت و رہنمائی سے غافل ہو کر اندھیروں میں بھٹکتے پھریں۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن حکیم ہی دنیا کا وہ پہلا صحیفہ ہے جس نے سب سے پہلے ایک انوکھے اور حیرت انگیز اسلوب میں نوعِ انسانی کو جھنجوڑا اور اپنے ابدی حقائق کے اثبات کے لیے عملی سائنس (PRACTICAL SCIENCE) کی بنیاد ڈالی۔ جس سے آج خود مسلمان دُور بھاگ رہے ہیں۔

اسلامی دَور سے پہلے عملی سائنس کا وجود نہیں تھا۔ یونانی فکر اور فلسفے کا جو کچھ بھی سرمایہ تھا وہ محض نظری (THEORETICAL) اور ظنی تھا۔ یونانی فلاسفہ حکمت و دانش کی باتیں تو بڑی اچھی اچھی کہتے تھے مگر انھیں اپنی باتوں کو صداقت کے لیے کسی تجربے یا مشاہدے کی ضرورت کبھی محسوس نہ ہوئی، بلکہ اس کے برعکس وہ عمل یا تجربے کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے۔ اس طرح ایک اعتبار سے وہ گویا "بے عمل" تھے۔ اس کے برعکس جیسا کہ لاتعداد آیات قرآنی سے ظاہر ہوتا ہے، وہ عمل اور تجربے پر ابھارتا ہے لہٰذا پورے اعتماد کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اسلام ہی دنیا کا پہلا مذہب ہے جس نے سب سے پہلے موجوداتِ عالم میں غور و فکر اور تحقیق و تجربہ کرنے کی دعوت دی اور عملی سائنس کی بنیاد ڈالی۔ یہ قرآن کی مثبت اور انقلابی دعوتِ فکر ہی کا نتیجہ تھا کہ اسلامی عہد میں دنیا کے علمی و فکری سرمایہ کو اکٹھا کر کے ان کا ترجمہ کیا گیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور ان کی تہذیب و تدوین کی گئی۔ پھر ان علوم میں غور و فکر کر کے نئی راہیں نکالی گئیں اور علم کیمیا، طبیعیات، فلکیات، ارضیات، طب، نباتات اور علم ہندسہ و ریاضی وغیرہ جدید علوم و فنون کی داغ بیل ڈالی گئی۔ اس دور کے مسلم سائنس دانوں میں جابر بن حیان، محمد بن موسیٰ خوارزمی، ابن ہیثم، محمد بن زکریا رازی، ابن سینا، البیرونی، ابن نفیس، ابوحنیفہ دینوری، عمر خیام اور ابوالقاسم الزاہراوی وغیرہ زیادہ مشہور ہیں۔ آٹھویں صدی سے پندرھویں صدی عیسوی تک مسلمانوں نے ان علوم و فنون کو خوب ترقی دی اور اس میدان میں ان کا کوئی ہم سر و مقابل نہیں تھا۔ مگر چند تاریخی و سیاسی اسباب —— یا زیادہ صحیح لفظوں میں زوالِ اُمتِ اسلامیہ —— کی بنا پر پندرھویں صدی عیسوی کے بعد علوم و فنون کی شمع مشرق سے مغرب کی طرف منتقل ہوئی اور یورپ کی ذہنی و علمی بیداری کا دور شروع ہوا۔

مگر اس واقعہ کا سب سے زیادہ حیرت انگیز پہلو یہ ہے کہ مغربی قوموں میں ذہنی و فکری بیداری اور علوم و فنون کی ترقی جس رفتار سے ہوتی گئی، مسلمان —— جو اس سے قبل اس میدان میں ساری دنیا کے امام تھے —— اسی رفتار پر پیچھے ہٹتے گئے، حتیٰ کہ ان علوم ہی سے بے تعلق اور اجنبی بن گئے۔ یہ تدریجی عمل گزشتہ پانچ صدیوں تک برابر جاری رہا، جو مکمل پس ماندگی پر منتہی ہوا۔ آج امتِ مسلمہ کی زبوں حالی کو دیکھ کر یہ یقین کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی امت ہے جو کسی دور میں دنیا کی سب سے بہتر اور ترقی یافتہ ملت تھی۔ اب اہلِ اسلام کو دوبارہ ان علوم کی طرف راغب کرنے اور خلافتِ ارض کے فراموش کردہ منصب عظیم کی طرف متوجہ کرنے کے لیے ایک بہت زیادہ مؤثر اور طاقت ور دعوتِ فکر کی ضرورت ہے اور یہ دعوتِ فکر صرف قرآن کریم ہی مہیا کر سکتا ہے، جس کی ابدی آیتوں میں بلا کی تاثیر اور بلا کی قوتِ کشش ہے اور جو اپنے معجز نما حقائق اور سچائیوں کی بنا پر آج بھی بالکل تازہ اور سدا بہار معلوم ہوتا ہے۔

اوپر جو کچھ بیان کیا گیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآنِ حکیم نے دو اہم حیثیتوں سے مظاہرِ کائنات کے بیان اور ان کے نظاموں سے تعرض کیا ہے۔ اوّل یہ کہ فکری و نظری حیثیت سے اس کے بیانات اور اس کے ابدی حقائق کی صداقت و حقانیت ظاہر و باہر ہو جائے اور قرآنِ حکیم کے معجز نما کلام اور اس کے من جانب اللہ ہونے کی حقیقت کھل کر سامنے آ جائے تاکہ منکرین و معاندین پر اتمامِ حجت ہو سکے، اور دوسرے یہ کہ عملی حیثیت سے خلافتِ ارض کے مقاصد کی تکمیل کی خاطر مظاہرِ کائنات میں ودیعت شدہ فوائد اور ان کی قوتوں سے استفادہ کر کے منشائے الٰہی کو پورا کیا جائے۔ علم اول کا تعلق خصوصیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ساتھ علمائے دین سے تھے اور علم ثانی کا سائنس دانوں سے۔ مگر جو قوم ان دونوں علوم میں ــــ فکری اور عملی اعتبار سے ــــ جامع اور کامل ہوگی وہی صحیح معنی میں "خلیفۃ الارض" ہونے کی مستحق ہو سکے گی۔ کیونکہ علم اول سے فکری و نظری حیثیت سے اقوامِ عالم کی اصلاح وابستہ ہے اور علمِ ثانی سے مادی حیثیت سے "غلبۂ دین" لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ مطلوب ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے ضمنی مقاصد ہیں۔

علمِ کیمیا اور طبیعیات کی اہمیت

اس تمہید کے بعد اصل موضوع کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، اور زیرِ بحث موضوع پر ان دونوں حیثیتوں سے نظر ڈالی جاتی ہے کہ قرآن حکیم کی نظر میں ان علوم و فنون کی فکری و نظری حیثیت سے کیا اہمیت ہے اور عملی حیثیت سے کیا افادیت؟ ان دونوں حیثیتوں سے اس لیے بحث کی جاتی ہے کہ کسی کو یہ کہنے کا موقع باقی نہ رہے کہ قرآن کی ایک حیثیت کو یکسر نظر انداز کر کے صرف اس کے دوسرے پہلو ہی کو نمایاں کیا گیا ہے۔ نیز علمی اعتبار سے یہ دونوں پہلو بیک وقت پیشِ نظر رکھنا ضروری بھی ہے تاکہ فکر و نظر میں توازن برقرار رہے۔

اصل بحث شروع کرنے سے پہلے یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ میں نے اس موقع پر سائنسی علوم میں صرف علمِ کیمیا اور طبیعیات کو منتخب کیا ہے۔ کیونکہ یہی وہ دو بنیادی علوم ہیں جن پر دیگر عام سائنسی و صنعتی علوم (ٹکنالوجی) کا مدار ہے۔ یعنی "علمِ تسخیر" یا "تسخیرِ اشیا" کے لیے جب تک ان دو علوم سے مدد نہ لی جائے کوئی بھی چیز معرضِ وجود میں نہیں آسکتی، اور کسی بھی "مظہرِ قدرت" پر قابو نہیں پایا جا سکتا۔ آج دنیا میں مختلف قسم کی ہزاروں لاکھوں صنعتیں (INDUSTRIES) کام کر رہی ہیں۔ مگر کسی بھی صنعت کو وجود میں لانے اور اس کو چلانے کے لیے عملاً ان دو بنیادی علوم سے صرفِ نظر ممکن نہیں، لہٰذا ضرورت ہے کہ مسلمان اپنی کھوئی ہوئی شان و شوکت کے حصول اور خلافتِ ارض کی تکمیل (اسلام کی نشاۃ ثانیہ) کے لیے ان علوم کی اہمیت و افادیت کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ پھر ہر ممکن طریقے سے امتِ مسلمہ کو ان علوم سے بہرہ ور کر کے خلافتِ ارض کے میدان میں آگے قدم بڑھانے کی تدبیریں سوچی جائیں۔ چونکہ عام طور پر ان علوم کے افادی پہلو نظروں سے اوجھل ہیں اور عوام تو عوام خواص تک کو بھی نہیں معلوم کہ ان علوم کا تعلق قرآن اور خلافتِ ارض سے کیا ہے؟ اس لیے کچھ فنی تفصیلات بھی ضروری معلوم ہوئیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غرض علمِ تسخیر کا تعلق اگرچہ تمام سائنسی اور صنعتی علوم سے بہت گہرا ہے، مگر خصوصیت کے ساتھ طبیعیات اور کیمیا کی حیثیت ریڑھ کی ہڈی جیسی ہے۔ ان علوم کی اہمیت ضمناً قرآنِ حکیم سے بھی ثابت ہوتی ہے۔ یعنی کائنات کے جو ہمہ گیر اصول وضوابط قرآنِ حکیم میں بیان کیے گئے ہیں اُن کی تنقیح کے ضمن میں اس قسم کے حقائق بھی ثابت ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں قرآنِ حکیم کا بنیادی مقصد اگرچہ فکری و نظریاتی حیثیت سے انسان کے غلط افکار اور اس کے غلط معتقدات کی تنقیح ہے اور اس کی بدعملی کی اصلاح ہے مگر قرآنِ حکیم کی عظیم خصوصیت تِبۡیَانًا لِّکُلِّ شَیۡءٍ (ہر چیز کی خوب وضاحت کرنے والا) کے مطابق اس میں ایسے ایسے ضمنی حقائق ملتے ہیں جو کسی بھی غلط رویہ اور غلط رَوش کی اصلاح کے لیے کافی و شافی ہوتے ہیں۔ قرآنِ حکیم اس حیثیت سے بھی ہمارے لیے ایک رہنما اور رہبر ہے۔

اَفَغَیۡرَ اللّٰہِ اَبۡتَغِیۡ حَکَمًا وَّ ھُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ اِلَیۡکُمُ الۡکِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ (الانعام: ۱۱۴)

تو کیا اللہ کے سوا کسی دوسرے کو حکم مان لوں، حالانکہ اس نے اس کتاب کو تمہارے پاس تفصیل کے ساتھ بھیج دیا ہے۔

لہٰذا ان علوم کی تفصیلات بیان کرنے سے پہلے اس سلسلے میں اُصولی اعتبار سے خود قرآنِ حکیم کے چند اشارات اور بنیادی حقائق کی توضیح کی جاتی ہے۔

قوانینِ فطرت اور خدائی منصوبہ

قرآنِ حکیم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے ـــ اور سائنسی تحقیقات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے ـــ کہ یہ عالمِ رنگ و بو اور یہ سارا سلسلۂ وجود مختلف اسباب و علل کے روپ میں رواں دواں ہے۔ نظامِ فطرت کے یہ اسباب و علل اور یہ خواص و تاثیرات اس بات کی علامت ہیں کہ یہ کائنات اور اس کے آثار و مظاہر دفعتاً نمودار نہیں ہو گئے بلکہ طبیعی و فطری اور تدریجی مراحل طے کر کے موجودہ حالت تک پہنچے ہیں۔ اگر خداوندِ عالم چاہتا تو آن کی آن میں اور دفعتاً عالمِ سماوات، عالمِ جمادات اور عالمِ نباتات و حیوانات کے سارے مظاہر لباسِ وجود میں جلوہ گر ہو سکتے تھے مگر حقیقتاً ایسا نہیں ہو سکا بلکہ اس نے ان عام آثار و مظاہر کے لیے کچھ مادی قوانین و ضوابط مقرر کر دیے، جو ان مظاہر کے طبیعی و نوعی ضوابط کہلاتے ہیں۔ مثلاً زمین اور عام اجرامِ سماوی اپنی موجودہ شکل اختیار کرنے سے پہلے ابتداً گیس کی شکل میں تھے جس کی تعبیر قرآنِ حکیم میں "دخان" (دھوئیں) کے لفظ سے کی گئی ہے۔

ثُمَّ اسۡتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ وَ ھِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَھَا وَ لِلۡاَرۡضِ ائۡتِیَا طَوۡعًا اَوۡ کَرۡھًا ؕ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ۝ فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَاؕ وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ (حٰم السجدہ : ۱۱-۱۲)

پھر وہ متوجہ ہوا آسمان کی طرف جو اس وقت دھوئیں (کی شکل میں) تھا۔ پس اس نے اس سے اور زمین سے کہا کہ تم دونوں آجاؤ، خواہ خوشی سے یا ناخوشی سے، دونوں نے عرض کیا کہ ہم خوشی سے حاضر ہیں۔ پس اس طرح اس نے پھر دو دنوں میں سات آسمان بنا دیے، اور ہر آسمان میں (اس کے فطری احوال کے مطابق) اس کا معاملہ پہنچا دیا۔ اور ہم نے قریبی آسمان کو چراغوں (ستاروں) سے آراستہ کیا اور (اس کی) حفاظت کی۔ یہ ہے منصوبہ ایک زبردست اور ہمہ داں ہستی کا۔

ان آیاتِ کریمہ کا مطلب سمجھنے سے پہلے یہ اوّلین حقیقت ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ قرآنِ حکیم کے یہ اور اس قسم کے دیگر تمام بیانات اس دور میں نازل ہوئے ہیں جب کہ سائنٹیفک نقطۂ نظر سے ان چیزوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں تھی اور نہ اس دور کے لوگ اس قسم کے حقائق اور تفصیلات کو سمجھنے کے متحمل نہیں تھے، اس لیے حکیمانہ طور پر اس قسم کی چیزوں کو اشاروں، کنایوں میں اور زیادہ تر تشبیہات و استعارات کے روپ میں بیان کیا گیا ہے۔ بہر حال ان آیات میں جو اشارے کنائے موجود ہیں ان کی قدر و قیمت موجودہ دور کے لحاظ سے بہت اہم اور فکر انگیز ہے، اور جدید سے جدید تر تمام تحقیقات ان اشاروں کنایوں کی اہمیت و افادیت کو مزید اجاگر کرتی جا رہی ہیں اور روز بروز ان کی تصدیق و تائید ہوتی جا رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات کو اپنی زبردست قدرت اور زبردست علم کے باوجود اسباب و علل کے روپ میں ظاہر کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اگر وہ چاہتا تو زمین اور سات آسمانوں کو آن کی آن میں جلوہ گر کر سکتا تھا، مگر ایسا کرنے کے بجائے اس نے چند طبیعی قوانین و ضوابط مقرر کیے جن کا بیان دیگر آیات میں موجود ہے)۔ پھر ان طبیعی قوانین کے تحت ارض و سماوات دو دنوں (یا دو ہزار سالوں میں)[1] بتدریج دھوئیں یا گیس یا دخان کی حالت سے نکل کر ٹھوس حالت میں پہنچے۔

---

[1] اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق کہ اس کا ایک دن ایک ہزار سال کے برابر ہوتا ہے۔ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (الحج : ۴۷) اس سے در اصل ایک لمبی مدت کا اظہار مقصود ہے، متعین ایک ہزار سال ہی مقصود نہیں ہے۔ اس سے موجودہ علم کائنات (COSMOLOGY) کے نظریات کے درمیان تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم بمرادہ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زمین و آسمان سے "خوشی یا ناخوشی چلے آو" کہنا بطورِ تمثیل ہے۔ "ہم خوشی خوشی چلے آتے ہیں" کا مطلب یہ ہے کہ ہم تیرے منصوبے کے مطابق تیرے مقرر کردہ قوانین وضوابط کو قبول کر کے اپنی موجودہ ہیئت یا شکل وصورت کو تبدیل کرنا اور دیگر انواع و اقسام کے مرکباتِ کیمیاوی (CHEMICAL COMPOUND) کا روپ دھارنا نیز قسم ہا قسم کے انواعِ حیات کا قالب اختیار کرنا پسند کرتے ہیں۔ تیرے احکام سے سرتابی کی ہم میں مجال نہیں ہے۔ یہ گویا کہ "مادہ" (MATTER) کی اطاعتِ الٰہی کا اعلان کُلّی تھا جو آج تک انہی طبیعی قوانین وضوابط کی شکل میں جاری وساری ہے۔[۱۴]

ظاہر ہے کہ بصورتِ دیگر "کرھاً" (زبردستی یا ناخوشی) کا کوڑا حرکت میں آتا اور آن کی آن میں ــــ بغیر طبیعی قوانین وضوابط اور بغیر اسباب وعلل کے ــــ تمام زمین و آسمان، چاند، سورج، ستارے، جمادات، نباتات اور حیوانات، سب کے سب (ایک معجزے کی طرح) ظاہر ہو جاتے[۱۵] اور دو ہزار سالوں کی لمبی مدت کی ضرورت نہ پڑتی۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بے مثال حکمت و منصوبہ بندی کے تحت یہاں پر ایک مضبوط سلسلۂ علل و اسباب قائم کر دیا ہے جس میں کہیں بھی کوئی رخنہ یا شگاف نظر نہیں آتا۔

فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ○ (الملک: ۳)

نظر پھیر کر دیکھو کہیں کوئی رخنہ بھی نظر آتا ہے؟

اسی طرح زمین اور اجرامِ سماوی کی تخلیق کے بعد زمین میں سامانِ معیشت (مختلف نباتات و حیوانات کی شکل میں) بتدریج چار دنوں (یا چار ہزار سال) میں ظہور میں لایا گیا۔

وَ بٰرَكَ فِيْهَا وَ قَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ○ (حٰمٓ السجدہ: ۱۰)

اور اس نے زمین میں برکت رکھی اور سب سامانِ معیشت طلب گاروں کے لیے اعتدال کے ساتھ چار دن میں

---

[۱۴] مادے کے اندر جاری وساری انہی قوانین وضوابط (طبیعی وکیمیاوی) کو جاننے اور ان پر عمل پیرائی کے باعث مادی مظاہر وظواہر کی "تسخیر" عمل میں آتی ہے، جن سے واقفیت حاصل کر کے موجودہ دور کا انسان فائدہ اٹھا رہا ہے۔ خلیفہ بن کر مظاہرِ عالم سے مستفید ہونے کے لیے ان رازوں کا جاننا ضروری ہے جن کو خالقِ ارض وسما نے ان کے سینے میں ودیعت کر دیا ہے۔

[۱۵] اگرچہ یہ فطری اسباب وعلل بھی غور کرنے والوں کے لیے ایک معجزے سے کسی طرح بھی کم نہیں ہیں۔ آپ اگر چاہیں تو انھیں "معجزاتِ ربوبیت" کہہ سکتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقرر کر دیے۔

اسی طرح چھ دنوں (یعنی چھ مدارج) میں عالمِ افلاک، عالمِ جمادات، عالمِ نباتات اور عالمِ حیوانات کے تمام مظاہر و ظواہر کو محض ایک دخانی مادہ (گیس یا دھواں) سے نکال کھڑا کر دیا جو اس کی ربوبیت کا زبردست اور حیران کن کارنامہ ہے اور اس کی اصل کنہ و حقیقت کا ادراک انسان کسی بھی حال میں نہیں کر سکتا، کیونکہ انسان اشیا کی اصل حقیقت کو نہیں سمجھ سکتا۔ بلکہ اس کا علم ہمیشہ ظاہری اسباب و علل ہی تک محدود رہتا ہے۔

غرض ان آیاتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی تجویز اور منصوبہ بندی کا تذکرہ بھی موجود ہے کہ یہ ساری کاروائی ایک مقررہ ضابطے اور الٰہی فیصلے کے تحت عمل میں آتی ہے، جس کی تعبیر لفظ "تقدیر" سے کی گئی ہے۔

تقدیر کے معنی اندازہ یا تجویز کرنے کے ہیں۔ یعنی کسی کام کا مفصل ضابطہ یا منصوبہ بنانا۔

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

قدر اور تقدیر کے معنی کسی چیز کی مقدار کو ظاہر کرنے کے ہیں اور تقدیر کا ایک مطلب طاقت اور قدرت عطا کرنا بھی ہے۔ اس لحاظ سے اشیائے عالم سے متعلق تقدیرِ الٰہی کی دو صورتیں ہیں: (۱) (الٰہی کام کرنے کی) قدرت و طاقت عطا کرنا۔ (۲) ان کو حکمت کے تقاضے کے مطابق ایک مخصوص مقدار اور مخصوص شکل عطا کرنا ــــــ اس لیے کہ فعلِ الٰہی کی دو قسمیں ہیں: (۱) اوّل یہ کہ کسی چیز کو بالفعل وجود میں لانا۔ یعنی ابتدا ہی میں اس کو کامل وجود اس طرح بخشنا کہ جب تک مشیتِ الٰہی اس کے فنا یا تبدیلی کی نہ ہو اس میں کسی قسم کی کمی بیشی نہ ہو سکے، جیسے سماوات اور ان میں موجود شدہ چیزیں (کہ ان کے نظاموں میں قیامت تک کوئی تبدیلی نہیں آ سکتی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں روزِ اول میں جس طرح پیدا کر دیا تھا اسی کے مطابق وہ جاری و ساری رہیں گے)۔

(۲) دوم یہ کہ کسی چیز کے اصول کو بالفعل اور اس کے اجزا کو بالقوۃ وجود بخشنا، اور اس کے لیے ایسا ضابطہ بنا دیا کہ وہ اس کے خلاف جا نہ سکے۔ جیسے کھجور کی گٹھلی کے متعلق تقدیرِ الٰہی کہ اس سے کھجور کا درخت ہی اُگے نہ کہ سیب یا زیتون کا۔ اور انسان کے مادۂ منویہ کی تقدیر یہ بنائی کہ اس سے انسان ہی پیدا ہو نہ کہ اور قسم کے جانور۔[۵۶]

اس اصول کی وضاحت علامہ سید سلیمان ندوی نے بہت خوبی کے ساتھ کی ہے:

---

۵۶ مفردات القرآن ــــ قوسین کے درمیان توضیحی الفاظ اور جملے اضافہ شدہ ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ دنیا کا ذرہ ذرہ جس غرض و مقصد کے لیے پیدا ہوا ہے وہ اپنے ذاتی ارادہ و مقصد کے بغیر خود بخود اس کو پورا کر رہا ہے اور اس کے خالق نے اس کے روزِ پیدائش سے اس کو جو حکم دے دیا ہے، اس کی تعمیل سے وہ سرِمو انحراف نہیں کرتا۔ آسمان سے لے کر زمین تک ہر چیز اپنے اپنے کام میں لگی ہوئی ہے۔ آفتاب دنیا کو گرمی اور روشنی دینے پر مامور ہے، اور وہ ہر آن و ہر لمحہ اس میں مصروف ہے۔ زمین کو سرسبزی و شادابی کا کام سپرد ہے، اور وہ اس کو انجام دے رہی ہے۔ ابر کو سیرابی اور گوہر باری کا حکم ہے، اور وہ اس کی تعمیل کر رہا ہے۔ درخت پھل دینے پر مقرر ہیں اور وہ اس کام میں لگے ہوئے ہیں، حیوانات جن کاموں پر مامور ہیں وہ بخوشی ان کو کر رہے ہیں"[۱۲]

اس طرح اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک متعین ضابطہ اور ایک متعین قانون طبعی (NATURAL LAW) بنا دیا ہے، جس کی خلاف ورزی دنیا کی کوئی نوع اور کوئی مادی شے نہیں کر سکتی۔ اس قانونِ الٰہی کی تفصیل دیگر مقامات میں اس طرح کی گئی ہے:

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا ۝ (الفرقان : ۲)

اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کا ایک ضابطہ بنایا۔

قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝ (الطلاق، ۳)

اللہ نے ہر چیز کا ایک اندازہ (پہلے ہی سے) بنا دیا ہے۔

إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ۝ (القمر، ۴۹)

بلاشبہ ہم نے ہر چیز ایک متعین اندازہ سے پیدا کی ہے۔

وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ ۝ (الرعد، ۸)

اور اس کے پاس ہر چیز ایک متعین مقدار کے ساتھ ہے۔

یہ قرآنِ حکیم کے چند وسیع اور ہمہ گیر کلیات ہیں، جن کا اطلاق عالمِ افلاک، عالمِ جمادات، عالمِ نباتات اور عالمِ حیوانات کی ہر چیز اور ہر مظہرِ قدرت پر ہو سکتا ہے۔ ان میں مادہ کے تمام قوانین: طبیعی (PHY-SICAL)، نوعی، عضویاتی (MORPHOLOGICAL)، فعلیاتی (PHYSIOLOGICAL)، تشریحی

---

[۱۲] سیرۃ النبی : ۴/۲۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(ANATOMICAL) طبعی (MEDICINAL) ادویاتی (PHARMACUTICAL) اور کیمیاوی (CHE-MICAL) اور مادے میں جاری ہر قسم کی توانائیاں : بھاپ، برق، آواز، روشنی اور مقناطیس سب کچھ داخل ہیں، جن کا مطالعہ آج سائنسی علوم کے تحت کیا جا رہا ہے۔ چونکہ یہ کلیات مطلقاً مذکور ہیں اور ان میں کسی قسم کی تقیید نہیں ہے، اس لیے اشیائے کائنات کی جتنی بھی حیثیتیں اور جتنی بھی خصوصیات ہو سکتی ہیں، سب کی سب مراد ہو سکتی ہیں۔ مادے اور توانائی کی ان خصوصیات کو ہم قرآنی اصطلاح کے مطابق "علم المقادیر" یا "مقداروں کا علم" کہہ سکتے ہیں اور یہ ایک بہت جامع اور وسیع اصطلاح ہوگی۔ یہ حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ سائنس کسی چیز کو پیدا یا کسی قانون کو وضع نہیں کرتی بلکہ قدرت کے انہی مخفی قوانین کا پتا چلاتی ہے اور اسرارِ ربوبیت کو وا کرتی ہے۔ تمام سائنسی علوم میں جو مسائل و مباحث زیرِ بحث آتے ہیں وہ بھی "قوانینِ قدرت" یا "قوانینِ ربوبیت" ہوتے ہیں۔

(باقی آئندہ)

ارمغانِ حالی :- پروفیسر حمید احمد خاں

شمس العلما مولانا الطاف حسین حالی اپنے دور کی عظیم شخصیت تھے۔ ان کی شہرت کا اصل باعث اگرچہ ان کی نظم کو قرار دیا جاتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کو نظم و نثر دونوں اصنافِ سخن پر عبور حاصل تھا۔ چنانچہ نظم کی طرح ان کا حصۂ نثر بھی بڑا جاندار اور بہت سے موضوعات کو محیط ہے۔ وہ سوانح نگار بھی تھے اور ناقد بھی۔ مفکر بھی تھے اور مصلح بھی۔ انھوں نے اصلاحی، تعمیری، اخلاقی، تعلیمی اور مسائل سے متعلق عمدہ مضامین سپردِ قلم کیے۔

یہ کتاب جو "ارمغانِ حالی" کے نام سے موسوم ہے۔ ان کے نظم و نثر کا قابلِ مطالعہ انتخاب ہے۔ کتاب میں حالی کے حالات و سوانح بھی مناسب تفصیل سے تحریر کیے گئے ہیں۔

صفحات ۲۶۱ قیمت ۱۸ روپے

ملنے کا پتا :- ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ لاہور

© rasailojaraid.com